

حضرت العلام حافظ محمد صاحب گوندلوی مدظلہ العالی

دوام حدیث

قسط نمبر ۹

ایک اسلام

منکر حدیث:

اگر ہم ملا کا مذہب قبول کر لیں تو پھر استیجابھی اصول دین، مندرجہ بالا اہم رکین اسلام
مٹنوں سے بالشت بھراونچی شلو اور بھی مہربی فرض، مندرجہ صی ہر کی مونچھیں اور لمبی داڑھی بھی جزو دین
مسلمان کیا ہوگا، ایک اچھا خاصا جوکرین کر رہ گیا، کیا آپ ان لالیتی قیود میں جکڑا ہوگا اسلام
کسی انگریز کے سامنے پیش کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی نو مسلم انگریز کا سر مونڈا کر
اور پر ایک موٹا سا پکڑ بانڈھیں، مونچھیں مونڈ ڈالیں، داڑھی ناف تک بڑھا دیں، ٹخنوں
سے بالشت بھراونچی شلو اور پینڈی، پکڑ میں مسواک، ٹانگ کے ساتھ تیسج بانڈھیں اور
آٹھوں میں سر ہڈ ڈال کر اسے انگلستان بھیج دیں تو وہی نتیجے ہوں گے، یا تو انگریز اسے
جن سمجھ کر مار ڈالیں گے اور یا پھر چڑیا گھر میں بند کر دیں گے۔ اسلام میں یہی تو خوبی ہے کہ
وہ صرف حقائق پر نظر رکھتا ہے اور ان ظواہر و مناسک کو قابل التفات نہیں سمجھتا، اس سے
میرا نزار اسی بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لاکر بے شمار ظواہر جزو اسلام بنانا چاہتا
ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملانی قیود سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔

قابل حدیث:

اب آپ یہ خیال رکھیں کہ یہ قیود عاید ہو جاتی ہیں

اور آزادی پسند آدمی ان قیود کو بوجھ سمجھتا ہے بلکہ ان پر عمل کرنا اس کے لئے موت کے مترادف ہے۔ چونکہ قرآن میں ان قیود کا ذکر نہیں اس لئے صرف قرآن پر عمل کرنے سے آزادی حاصل ہوگی۔ نہ دانت صاف کرنے کے لئے مسواک کی ضرورت، خواہ وہ بالکل سیاہ، یہی ہو جائیگی، اس کے بعد جو باتیں ذکر کی ہیں یہ سب لوازمات سے نہیں، شلوار کے لئے صرف یہی پابندی ہے کہ گھٹنوں سے نیچے نہ ہو، ٹخنوں سے ایک بالشت اونچا ہونا لوازمات سے نہیں۔ اسی طرح مونچھوں کا مونڈنا فرض نہیں بلکہ اتنا کٹنا کافی ہے کہ منہ پر نہیں پڑیں، آج کل تو مونچھوں کا مونڈنا فیشن میں داخل ہو گیا ہے، شاید آپ نے کتاب اس فیشن بیٹے سے پہلے لکھی ہوگی۔ اسی طرح ڈاڑھی کا ناف تک ہونا کوئی ضروری نہیں صرف چار انگلی تک ہونا کافی ہے۔ پگڑی ایک بہترین لباس ہے جسے انگریز بھی پسند کرتے تھے، اور لمبی داڑھی ان کے ہاں پادریوں کا شعار ہے اور ان کی کتاب بائبل میں مذکور ہے۔

ٹانگ سے تسبیح باندھنا کس حدیث میں آیا ہے؟ ظاہری شعار بھی اس قسم کی چیزیں ہیں جن کے ضائع ہونے سے قوموں کی ثقافت جاتی رہتی ہے اور اسلام نے جو وضع مقرر کی ہے، اگر عقلی طور پر غور کیا جاوے تو وہی وضع اصولِ طب پر منطبق ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حدیث سے صرف اس لئے دشمنی رکھتے ہیں کہ اس میں پابندی کافی ہے اور آپ زیادہ پابندی سے گھبراتے ہیں۔ قرآن میں تو صاف طور پر نختے کا بھی ذکر نہیں۔ اسی طرح تولد کے وقت اذان کہنے کا بھی ذکر نہیں، نہ مرنے کے وقت کہیں جنازہ مرومہ کا ذکر ہے۔ نہ نکاح اور زنا میں کوئی واضح فرق ہے لہذا صرف قرآن پر عمل کرنے سے ہر طرح کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اور جو جزوی طور پر قرآن میں پابندی ہے، وہ بھی حدیث ماننے سے ہے درہد حدیث کے انکار سے تو ہر قسم کی پابندی اٹھ جاتی ہے جو چاہیں قرآن کا مطلب بیان کریں، کتنی بڑی آزادی ہے۔ حدیث کے ماننے سے انسان ہر طرح سے پابند ہو جاتا ہے اور حدیث کے انکار سے بالکل آزاد۔ یہی وجہ ہے کہ آپ

نے حدیث کا انکار کیا ورنہ اس پر کوئی دلیل پیش کرتے۔
منکر حدیث :

اگر احادیث میں یہ ضروری نہیں کہ الفاظ رسول کے ہوں تو پھر آپ ہر حدیث میں یہ کیوں کہا کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر ہر حدیث راوی کا قول ہے تو پھر قول رسول نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی قول راوی کا بھی ہو اور حضور کا بھی۔
قائل حدیث :

آپ حدیث سے بالکل نا آشنا معلوم ہوتے ہیں، چودہ برس آپ نے کیا پڑھا اور وہی میں کیا پڑھتے رہے؟ آپ نے غالباً قرآن بھی نہیں پڑھا۔
اب سنئے، کلام اللہ قول میں فرق ہے۔ کلام کی نسبت تو متکلم کی طرف ہوتی ہے، خواہ نقل بلفظ ہو یا بالمعنی ہو، ناقل کی طرف نہیں ہوتی اور قول میں ناقل اور اصل متکلم دونوں کی طرف نسبت کہنی جائز ہے۔ جیسے قرآن میں قرآن کو قول رسول کریم بھی کہا ہے اور کلام اللہ بھی کہا ہے۔ پھر رسول کریم سے ایک جگہ جبریل مراد ہے جیسے سورہ تکویر میں ہے اور ایک جگہ (سورہ حاقہ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، پس قرآن اللہ کا قول بھی ہے اور ناقل اول جبریل کا بھی ہے۔ اور ناقل ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔
منکر حدیث :

ہمارے بعض علما تو عشق حدیث میں یہاں تک عقل و خرد گم کر چکے ہیں کہ اللہ کے کلام کو نہ صرف احادیث کا محتاج سمجھتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہوئے بھی منے جاتے ہیں کہ اگر اللہ کا کوئی قول رسول کے قول سے مستدام ہو جائے تو قول خدا کو منسوخ سمجھو۔
قائل حدیث :

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلام پاک چونکہ عربی زبان میں ایک خاص ماحول میں نازل ہوئی اسی لئے اس کے سمجھنے کے لئے قواعد عربیہ اور اس کے نزول کے ماحول کی واقفیت لازمی ہے۔ پس ہم قرآن کے سمجھنے میں صرف و نحو، لغت معانی و بیان اور حدیث رسول

اور صحابہؓ کے اقوال کے محتاج ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محتاج ہے اور حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کرتی، یہ حدیث ہی سے ثابت ہے۔ اگر کسی عالم نے ایسا کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، اگر کوئی صحیح حدیث ظاہر قرآن کے معارض ہو تو یہ معارضہ اسی وقت ہوگا، جب آیت منسوخ ہوگی اگرچہ وہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف حدیث سے ہی قرآن کی آیت منسوخ ہو جاتی ہے۔ جیسے قتال کے فرض ہونے سے پہلے عفو اور صفحہ (درگزر) کرنے کا حکم تھا "فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ" (بقدر) یہودی کی ان شرارتوں کو سن دیکھ کر معاف کرو یہیں تک کہ اللہ کا حکم (قتال کے بارہ میں) آجائے۔ اب بہت احادیث ایسی قتال والے حکم کے موافق ہیں اور اس آیت کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان احادیث سے نہیں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے۔

منکر حدیث :

یہ چودہ لاکھ کا طومار رسول کی طرف کس نے منسوب کیا تھا۔ یہ طریقت، ربانیت، اور جہاد اکبر کے راستے لگا کر خدائی پیغام کو کس نے مسخ کیا تھا۔ یہ مسلمانوں سے تلوار چھین کر اس کی جگہ تسبیح کس نے تجویز کی تھی۔ یہ دنیا کو مردار کہہ کر مسلمانوں کو دنیا سے کس نے متغیر کیا تھا۔ یہ اہماتی کائنات کی جگہ دولت، نیکیت، فلاکت، جہالت، ادیار اور پستی پر قانع رہنے کا سبق کس نے دیا تھا۔ یہ دس کروڑ چینی، پانچ کروڑ روسی، دو کروڑ افریقی، آٹھ کروڑ جاپانی، دو کروڑ افغانی اور چالیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کی موجودہ پست، غلیظ اور حیوانوں سے بدتر زندگی کا ذمہ دار کون ہے۔ اس کا جواب ایک ہی ہے، ملا کا خانہ ساز اسلام۔۔۔ قال القدران احوج الى السنة من السنة الى الكتاب

"جتنا قرآن حدیث کا محتاج ہے، اس قدر حدیث قرآن کی محتاج نہیں" (جامع

بیان العلم ص ۲۲)

قائل حدیث :

بحث تو صحیح حدیث کے معارض ہونے پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث قرآن کی محتاج نہیں ہے بلکہ قرآن ہی حدیث کے محتاج ہے۔

مومنوں اور ضعیف کی طرف پھیر دی ہے۔ حدیث پر عمل کرنے والے اور حق پر چلنے والے کی تو حدیث میں یہی نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ قتال جاری رکھیں گے، فرمایا:

« لا تترال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق فاعین لا یضرمہم عین ولا خائفہم » الحدیث

کہ ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی، ان کے مخالف ان کو اس سے نہیں ہٹا سکیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ انگریز کی ڈیڑھ صد سالہ غلامی کے دور میں بھی اہل علم کی ایک جماعت باوجود بے بقاعدگی کے انگریز جیسی طاقت و قوم سے مقابلہ کرتی رہی، غلبت و نکتہ وغیرہ کی ذمہ دار، قوم کی بد عملی اور قرآن و سنت سے بے رغبتی ہے۔ چودہ لاکھ احادیث میں سے صحیح احادیث کی چھانٹ محدثین نے کی ہے اور مومنوں اور ضعیف کو بھی انہوں نے انگ کیا ہے۔ طریقت کا مطلب تو عرف یہی ہے کہ اخلاق کی درستی اور عقیدہ کی پختگی کے لئے قرآن و سنت کے ان احکام پر عمل کو رائج کیا جائے۔ جن پر عمل کرنے سے انسان جہاد و قتال کے لئے اپنے آپ کو بہ خوبی پیش کر سکے جیسے سید احمد صاحب نے کیا جوشاہ اسماعیل شہید کے پیر تھے۔ رہبانیت کی تردید تو حدیث میں ہی ہے۔ رہبانیت میں وہی لوگ پھنسے جو حدیث سے کم واقفیت رکھتے تھے۔ کسی حدیث میں تسبیح کی فضیلت کا ذکر نہیں۔ دنیا کی مذہبیت کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی، سورہ مائدہ خفصیوں ہے:

« ولولا ان یکون الناس امۃ واحدة لاجعلنا من یکفر بالرحمن »

لیسو تم سقفا من فضۃ و معارج علیہا ینظرون »

کہ اگر لوگوں میں اتنی کمزوری نہ ہوتی جیسے اب ہے کہ وہ مالی متاع اور دنیا کے غلام بنے ہوئے ہیں، تو ہم کافروں کے گھروں کی جمعیتیں اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے۔

دنیا کا یہ مطلب ہے کہ ان چیزوں کو تعیش کا سامان بنایا جائے۔ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ تجارت نہ کی جائے۔ کسب حلال اور کاشتکاری وغیرہ کی فضیلت تو حاجی احادیث میں وارد ہے۔ حدیث میں جو میرٹھ کے احکام سے

غفلت کرے، وہی دنیا ہے۔

پس حقیقت میں ان تمام کمزوریوں کا سبب جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں، حدیث سے غفلت ہے۔ مکتول کے قول کا صرف یہ مطلب ہے کہ حدیث چونکہ بیان ہے اور قرآن متن، اس لئے جتنی ضرورت متن کے سمجھنے کے لئے شرح کی ہوتی ہے۔ شرح کو سمجھنے کے لئے متن کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن اصل ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے، قرآن کو قرآن ہی منسوخ کرتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ سنت قرآن کو منسوخ کرتی ہے، ان کا مطلب صرف تفسیر کرنے کا ہے۔ یعنی قرآن کے عام کے متعلق یہ بتایا جائے کہ یہ خاص ہے یا اس سے مراد چند افراد ہیں۔ یا یہ حکم کہ قرآن مجید کا حکم ایک علت کے ساتھ معلول ہو اور اب وہ علت اٹھ گئی ہو، حدیث اس کا بیان کر دے کہ اب وہ علت اٹھ گئی، اس لئے حکم باقی نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی استناد سے حدیث نہیں پڑھی۔